تعریف نہیں کرتے، کوئی گاہک کھڑا ہی نہیں ہوتا۔ اپنے عمدہ مال کو لاجواب نایاب وغیرہ کہنا بے جا نہیں۔ اپنی دوا کو آب حیات اکسیر زندگی بخش تیر بہدف جو بھی چاہیں آپ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی عیب نہیں۔ کسی واعظ سے پوچھو۔ کسی وکیل سے پوچھو۔ کسی مضمون نگار سے پوچھو۔ سبھی ایک آواز سے یہی کہیں گے کہ رنگ آمیزی اور کامیابی مترادف ہیں۔ یہ وہم ہے کہ مصور ہی کو رنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب تو تمہیں یقین ہو گیا کہ وہ زمین مل جائے گی؟

جان سیوک: جی ہاں۔ اب کوئی شبہ نہیں ہے۔

یہ کہہ کر انہوں نے پربھو سیوک کو پکارا اور حقارت آمیز لہجہ میں بولے۔ ''بیٹھے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ذرا پانڈے پور کیوں نہیں چلے جاتے؟ اگر تمہارا یہی حال رہا تو میں کہاں تک تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔''

پربھو سیوک: مجھے جانے میں کوئی عذر نہیں مگر اس وقت مجھے صوفی کے پاس جانا ہے۔

جان سیوک: پانڈے پور سے لوٹتے ہوئے صوفی کے پاس بہت آسانی سے جا سکتے ہو۔

پربھو سیوک: میں صوفی سے ملنا زیادہ ضروری خیال کرتا ہوں۔

جان سیوک: تمہارے روز روز ملنے سے کیا فائدہ، جب تم آج تک اسے یہاں لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

پربھو سیوک کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے نکلتے رہ گئے۔ ماما نے جو آگ لگا دی ہے، وہ میرے بجھائے نہیں بجھ سکتی۔ وہ فوراً اپنے کمرہ میں گئے۔ کپڑے پہنے اور اسی وقت طاہر علی کے ساتھ پانڈے پور جانے کو تیار ہو گئے۔ گیارہ بج چکے تھے۔ زمین سے آگ کی لپٹ نکل رہی تھی۔ دوپہر کا کھانا تیار تھا۔ میز لگا دی گئی تھی، لیکن پربھو سیوک والدین کے بے حد اصرار پر بھی کھانے کی میز پر نہ بیٹھے۔ طاہر علی خدا سے دعا

کر رہے تھے کہ کسی طرح دوپہر یہیں کٹ جائے۔ پنکھوں کے نیچے خس کی ٹٹیوں سے چھن کر آنے والی ٹھنڈی ہوا نے ان کے درد کو بہت کم کر دیا تھا، لیکن پر بھوسیوک کی ضد نے ان کو لطف اندوزی سے محروم ہی رکھا۔

(11)

بھیرو پاسی اپنی ماں کا سپوت بیٹا تھا۔ حتی الامکان اسے آرام سے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں بہو اپنی ساس کو بھوکا نہ رکھے وہ اسکی تھالی اپنے سامنے پر سالیا کرتا اور اس کو اپنے ساتھ ہی بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔ بڑھیا تمباکو پیتی تھی۔ اس کے واسطے ایک پیتل سے منڈھا ہوا خوب صورت ناریل لایا تھا۔ آپ چاہے زمین پر سوئے، پر اس کو کھاٹ پر سلاتا تھا۔ کہتا کہ اس نے نہ جانے کتنی تکلیف برداشت کر کے مجھے پالا پوسا ہے۔ میں اس سے جیتے جی کبھی ارن نہیں ہو سکتا۔ اگر ماں کا سر بھی کبھی درد کرتا تو بے چین ہو جاتا۔ اچھے سیانے بلا لاتا۔ بڑھیا کو کپڑے گہنے کا بھی شوق تھا۔ شوہر کے راج میں جو آرام نہ ملا تھا، اسے بیٹے کے راج میں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ بھیرو نے اس کے لیے ہاتھوں کے کڑے اور گلے کی ہنسلی اور ایسی ہی کئی چیزیں بنوا دی تھیں۔ پہننے کے لیے موٹے کپڑے کے بجائے کوئی رنگین چھینٹ لایا کرتا تھا۔ اپنی بیوی کو تاکید کرتا رہتا کہ ماں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اس طرح بڑھیا کے مزاج میں کچھ رعونت آ گئی تھی۔ ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف ہوتی تو روٹھ جاتی اور بہو کو آڑے ہاتھوں لیتی۔ بہو کا نام سوبھاگی تھا۔ بڑھیا نے اس کا نام ابھاگی رکھ چھوڑا تھا۔ بہو نے ذرا چلم بھرنے میں دیر کی۔ چارپائی بچھانا بھول گئی یا منہ سے نکلتے ہی ان کے پیر دبانے یا سر کی جوئیں نکالنے نہ آ پہنچی تو بڑھیا اس کے سر ہو جاتی۔ اس کے باپ اور بھائیوں کے منہ کو کالا بناتی۔ سبھوں کی داڑھیاں جلاتی اور اسے گالیوں سے صبر نہ ہوتا بلکہ جوں ہی بھیرو دکان سے آتا تو ایک ایک کی سو سو لگاتی۔ بھیرو سنتے ہی آگ ہو جاتا۔ کبھی جلی کٹی باتوں

سے اور کبھی دنڈے سے بیوی کی خبر لیتا۔ جگدھر سے اس کی گہری دوستی تھی۔ اگر چہ بھیرو کا گھر آبادی کے مغربی سرے پر تھا اور جگدھر کا مشرقی سرے پر، لیکن جگدھر کے یہاں زیادہ آمد و رفت تھی۔ یہاں مفت تاڑی پینے کو مل جاتی تھی جسے مول لینے کے لیے اس کے پاس پیسہ نہ تھا۔ اس کے گھر میں کھانے والے بہت تھے اور کمانے والا تنہا وہی تھا۔ پانچ لڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکا اور ایک بیوی۔ خوانچہ سے اتنا نفع کہاں کہ اتنے پیٹ بھرے اور تاڑی شربت بھی پئے؟ یہ بھیرو کی ہاں میں ہاں ملایا کرتا تھا اس لیے سوبھاگی اس سے جلتی تھی۔

دو تین برس پہلے کی بات ہے، ایک رات کو بھیرو اور جگدھر بیٹھے ہوئے تاڑی پی رہے تھے۔ جاڑوں کے دن تھے۔ بڑھیا کھاپی کر انگیٹھی سامنے رکھے آگ تاپ رہی تھی۔ بھیرو نے سوبھاگی سے کہا۔ ''تھوڑے سے مٹر بھون لا۔ نمک، مرچ، پیاز بھی لیتی آنا۔'' تاڑی کے لیے گزک کی ضرورت تھی۔ سوبھاگی نے مٹر تو بھونے، لیکن پیاز گھر میں نہ تھا۔ ہمت نہ پڑی کہ کہہ دے ''پیاز نہیں ہے۔'' دوڑی ہوئی کنجڑے کی دکان پر گئی۔ کنجڑا دکان بند کر چکا تھا۔ سوبھاگی نے بہت خوشامد کی، پر اس نے دکان نہ کھولی۔ مجبوراً اس نے بھنے ہوئے مٹر لا کر بھیرو کے سامنے رکھ دیئے۔ بھیرو نے پیاز نہ دیکھا تو تیور بدلے۔ بولا۔ ''کیا مجھے بیل سمجھتی ہے کہ بھونے ہوئے مٹر لا کر رکھ دیئے؟ پیاز کیوں نہیں لائی؟''

سوبھاگی نے کہا۔ ''پیاز گھر میں نہیں ہے تو کیا میں پیاز ہو جاؤں؟''

جگدھر: پیاز کے بغیر کیا مٹر اچھے لگیں گے۔

بڑھیا: پیاج تو ابھی کل ہی دھیلے کی آئی تھی۔ گھر میں کوئی چیز تو بچتی ہی نہیں۔ نہ جانے اس چڑیل کا پیٹ ہے یا بھاڑ۔

سوبھاگی: مجھ سے کسم (قسم) لے لو جو پیاج ہاتھ سے بھی چھوئی ہو۔ ایسی جبان (زبان) ہوتی تو اس گھر میں ایک دن بھی نباہ نہ ہوتا۔

بھیرو: پیاج نہیں تھے لائی کیوں نہیں۔

جگدھر: جو چیز گھر میں نہ رہے اس کی فکر رکھنی چاہیے۔

سوبھاگی: میں کیا جانتی تھی کہ آج آدھی رات کو پیاج کی دھن سوار ہوگی۔

بھیرو تاڑی کے نشہ میں تھا۔ نشہ میں بھی غصہ کی خاصیت ہے۔ کمزوروں ہی پر اترتا ہے۔ ڈنڈا پاس ہی رکھا تھا۔ اٹھا کر ایک ڈنڈا سوبھاگی کو مارا۔ اس کے ہاتھ کی سب چوریاں ٹوٹ گئیں۔ وہ گھر سے بھاگی۔ بھیرو پیچھے دوڑا۔ سوبھاگی ایک دکان کی آڑ میں چھپ گئی۔ بھیرو نے ڈھونڈا، جب نہ پایا تو گھر جا کر کواڑ بند کر لیے اور پھر رات بھر خبر نہ لی۔ سوبھاگی نے سوچا کہ اس وقت جاؤں گی تو جان کی خیر نہیں لیکن رات بھر رہوں گی کہاں؟'' وہ بجرنگی کے گھر گئی اس سے کہا۔ ''نا بابا میں یہ روگ نہیں پالتا۔ کھوٹا آدمی ہے، کون اس سے لڑائی مول لے؟ ٹھاکر دین کا دروازہ بند تھا۔ سورداس کھانا پکا رہا تھا۔ سوبھاگی اس کی جھونپڑی میں گھس گئی اور بولی۔ ''سورداس آج کی رات مجھے یہیں پڑا رہنے دو مارے ڈالتا ہے ابھی جاؤں گی تو ایک ہڈی بھی نہ بچے گی۔''

سورداس نے کہا۔ ''آ کر پڑ رہو۔ سویرے چلی جانا، ابھی نشہ میں ہوگا۔''

دوسرے روز جب بھیرو کو یہ بات معلوم ہوئی تو سورداس سے خوب گالی گلوچ کی اور مارنے کی بھی دھمکی دی۔ سوبھاگی اسی وقت سے سورداس پر مہربانی کرنے لگی۔ جب فرصت پاتی تو اس کے پاس آ بیٹھتی۔ کبھی کبھی اس کے گھر میں جھاڑو لگا جاتی۔ کبھی گھر والوں کی آنکھ بچا کر اس کو کچھ دے جاتی۔ مٹھوا کو اپنے گھر لے جاتی اور اسے گڑ چنا دیتی۔

بھیرو نے کئی بار اس کو سورداس کے گھر سے نکلتے دیکھا۔ جگدھر نے دونوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا۔ بھیرو کے دل میں شک ہو گیا کہ ضرور ان دونوں میں سانٹھ گانٹھ ہے۔ جبھی سے وہ سورداس سے خار کھاتا تھا۔ اس سے چھیڑ کر لڑتا، پرنا یک

رام کے خوف سے اس کو مار نہ سکتا تھا۔ سو بھاگی پر اس کی سختیاں روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھیں اور جگدھر اپنی نرم مزاجی کے باوجود بھی بھیرو کی طرف داری کرتا۔

جس دن بجرنگی اور طاہر علی میں جھگڑا ہوا تھا۔ اسی دن بھیرو اور سورداس میں بھی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ بڑھیا دوپہر کو نہائی تھی۔ سو بھاگی اس کی دھوتی دھونا بھول گئی۔ گرمی کا موسم تھا ہی۔ رات کو 9 بجے بڑھیا کو پھر گرمی معلوم ہوئی۔ گرمیوں میں روز دو مرتبہ نہاتی تھی اور جاڑوں میں دو مہینے میں ایک مرتبہ۔ جب وہ نہا کر دھوتی مانگنے لگی تو سو بھاگی کو یاد آئی۔ کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں۔ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''آج دھوتی دھونے کو بھول گئی۔ تم ذرا دیر میری دھوتی پہن لو تو میں اسے دھو کر ابھی سکھائے دیتی ہوں۔''

بڑھیا اس قدر متحمل مزاج نہ تھی۔ اس نے بہو کو ہزاروں گالیاں دیں اور گیلی دھوتی پہنے بیٹھی رہی۔ اتنے میں بھیرو دکان سے آیا اور سو بھاگی سے بولا۔ ''جلدی کھانا لا۔ آج سنگت ہونے والی ہے اور اماں تم بھی کھالو۔''

بڑھیا بولی: نہا کر گیلی دھوتی پہنے بیٹھی ہوں۔ اب اپنے ہاتھوں دھولیا کروں گی۔

بھیرو: کیا اس نے دھوتی نہیں دھوئی؟

بڑھیا: وہ اب میری دھوتی کیوں دھونے لگی؟ گھر کی مالکن ہے۔ یہ کیا کم ہے کہ ایک روٹی کھانے کو دے دیتی ہے۔

سو بھاگی نے بہت کچھ معذرت کی، پر بھیرو نے ایک نہ سنی۔ ڈنڈا لے کر مارنے کو دوڑا۔ سو بھاگی بھاگی اور آ کر سورداس کے گھر میں گھس گئی۔ پیچھے پیچھے بھیرو بھی وہیں پہنچا۔ جھونپڑے میں گھسا اور چاہتا تھا کہ سو بھاگی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے کہ سورداس اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''کیا بات ہے بھیرو، اسے کیوں مار رہے ہو؟''

بھیرو گرم ہو کر بولا۔ ''دروازہ سے ہٹ جاؤ نہیں تو پہلے تمہاری ہی ہڈیاں توڑوں گا۔ ساری بگلا بھگتی نکل جائے گی۔ بہت دنوں سے تمہارا رنگ دیکھ رہا ہوں۔ آج

ساری کسر نکال دوں گا۔''

سورداس: تم نے میرا کیا رنگ دیکھا؟ بس یہی نا کہ میں نے سوبھاگی کو گھر سے نکال نہیں دیا؟

بھیرو: بس اب چپ ہی رہنا۔ ایسے پاپی نہ ہوتے تو بھگوان نے آنکھیں کیوں پھوڑ دی ہوتیں۔ بھلا چاہتے ہو تو سامنے سے ہٹ جاؤ۔

سورداس: میرے گھر میں تم اسے نہ مارنے پاؤ گے۔ یہاں سے چلی جائے تو جتنا جی چاہے مار لینا۔

بھیرو: ہٹتا ہے آگے سے کہ نہیں؟

سورداس: میں اپنے گھر میں یہ اودھم نہ مچانے دوں گا۔

بھیرو نے غصے میں آ کر سورداس کو دھکا دیا۔ بیچارہ بے سہارے کھڑا تھا، گر پڑا۔ پر پھر اٹھا اور بھیرو کی کمر پکڑ کر بولا۔ ''اب چپکے سے چلے جاؤ نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔''

سورداس تھا تو دبلا پتلا، پر اس کی ہڈیاں لوہے کی تھیں۔ بادل بوندی، سردی گرمی جھیلتے جھیلتے اس کے اعضا سخت اور مضبوط ہو گئے تھے۔ بھیرو کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا کوئی آہنی شکنجہ ہے۔ بہت زور مارتا تھا مگر شکنجہ ذرا ڈھیلا نہ ہوتا تھا۔ سوبھاگی نے موقع پایا تو بھاگی۔ اب بھیرو زور زور سے گالیاں دینے لگا۔ محلّہ والے شور سن کر آ پہنچے۔ نایک رام نے مذاقاً کہا۔ ''سورداس۔ اچھی صورت دیکھ کر آنکھیں کھل جاتیں ہیں کیا؟ محلّہ ہی میں؟''

سورداس: پنڈا جی تمہیں دل لگی سوجھی ہے اور یہاں منہ میں کالک لگائی جا رہی ہے۔ اندھا تھا، اپاہج تھا، بھکاری تھا، نیچ تھا، پر چوری بدمعاشی کے الجام (الزام) سے بچا ہوا تھا۔ آج وہ الجام بھی لگ گیا۔

بجرنگی: آدمی جیسا آپ ہوتا ہے، ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتا ہے۔

بھیرو: تم کہاں کے بڑے سادھو ہو؟ ابھی آج ہی لاٹھی چلا کر آئے ہو۔ میں دو

سال سے دیکھ رہا ہوں۔ میری گھر والی اس سے آ کر اکیلے میں گھنٹوں باتیں کرتی ہے۔ جگدھر نے بھی اس کو یہاں سے رات میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ آج ابھی اسی کے پیچھے مجھ سے لڑنے پر تیار تھا۔

نا یک رام: شبہ ہونے کی بات ہی ہے۔ اندھا آدمی دیوتا تھوڑا ہی ہوتا ہے اور پھر دیوتا لوگ بھی تو کام دیو کے بان سے نہیں بچے۔ سوردا س تو پھر آدمی ہے اور ابھی عمر ہی کیا ہے۔

ٹھاکر دین: مہاراج! کیوں اندھے کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ چلو کچھ بھجن کیرتنا ہو۔

نا یک رام: تمہیں بھجن کی سوجھتی ہے۔ یہاں ایک بھلے آدمی کی عزت کا معاملہ آ پڑا ہے۔ بھیرو! ہماری ایک بات مانو تو کہیں۔ تم سو بھاگی کو مارتے بہت ہو۔ اس سے اس کا دل تم سے نہیں ملتا۔ ابھی دوسرے دن باری آتی ہے۔ اب مہینہ میں دو بار سے زیادہ نہ آنے پاوے۔

بھیرو دیکھ رہا تھا کہ مجھے لوگ بنا رہے ہیں۔ بگڑ کر بولا۔ ''اپنی عورت ہے، مارتے پیٹتے ہیں تو کسی کا ساجھا ہے۔ جو گھوڑے پر کبھی سوار ہی نہیں ہوا وہ دوسرے کو سوار ہونا کیا سکھائے گا۔ وہ کیا جانے عورت کیسے قابو میں رہتی ہے۔''

یہ طنز نا یک رام پر تھا، جس کی شادی ہنوز نہیں ہوئی تھی۔ گھر میں دولت تھی۔ حجمانوں کی بدولت کسی بات کی فکر نہ تھی پھر بھی نہ جانے کیوں اس کی شادی ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ وہ ہزار پانچ سو روپے سے غم کھانے کو تیار تھا، لیکن کہیں ڈول نہ لگتا تھا۔ بھیرو نے سمجھا تھا نا یک رام دل میں کٹ جائیں گے مگر وہ چھنٹا ہوا شہری گنڈا۔ ایسے طنزوں کو کب خیال میں لاتا تھا۔ بولا۔ ''کہو بجرنگی! اس کا کچھ جواب دو۔ عورت کیسے بس میں رہتی ہے؟''

بجرنگی: مار پیٹ سے ننھا سالڑکا تو بس میں آتا نہیں۔ عورت کیا بس میں آئے گی؟

بھیرو: بس میں تو آئے عورت کا باپ۔ عورت کس کھیت کی مولی ہے۔ مار سے بھوت بھاگتا ہے۔

بجرنگی: تو عورت بھی بھاگ جائے گی مگر قابو میں نہ آئے گی۔

نایک رام: بہت اچھی کہی بجرنگی۔ بہت پکی کہی، واہ واہ۔ مار سے بھوت بھاگتا ہے تو عورت بھی بھاگ جائے گی۔ اب تو کٹ گئی تمہاری بات۔

بھیرو: بات کیا کٹ جائے گی دل لگی ہے؟ چونے کو جتنا ہی کوٹو اتنا ہی چمٹتا ہے۔

جگدھر: یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ عورت اپنی طبیعت سے بس میں آتی ہے اور کسی طرح نہیں۔

نایک رام: کیوں بجرنگی نہیں ہے کوئی جواب؟

ٹھاکر دین: پنڈا جی تم دونوں کو لڑا کر تبھی آرام لوگے۔ بیچارے اپاہج آدمی کے پیچھے پڑے ہو۔

نایک رام: تم سورداس کو کیا سمجھتے ہو۔ یہ دیکھنے ہی میں اتنے دبلے ہیں۔ ابھی ہاتھ ملاؤ تو معلوم ہو بھیرو! اگر انہیں پچھاڑ دو تو پانچ روپے انعام دوں۔

بھیرو: نکل جاؤ گے۔

نایک رام: نکلنے والے کو کچھ کہتا ہوں۔ یہ دیکھو ٹھاکر دین کے ہاتھ میں رکھے دیتا ہوں۔

جگدھر: کیا تاکتے ہو بھیرو؟ لے پڑو۔

سورداس: میں نہیں لڑتا۔

نایک رام: سورداس! دیکھو نام ہنسائی مت کراؤ۔ مرد ہو کر لڑنے سے ڈرتے ہو۔ ہار ہی جاؤ گے یا اور کچھ؟

سورداس: لیکن بھائی، میں داؤ پیچ نہیں جانتا۔ پیچھے سے یہ نہ کہنا کہ ہاتھ کیوں پکڑا۔ میں جیسے چاہوں لڑوں گا۔

جگدھر: ہاں ہاں تم جیسے چاہنا ویسے لڑنا۔

سورداس: اچھا تو آؤ کون آتا ہے؟

نائیک رام: اندھے آدمی کا جیوٹ دیکھنا۔ چلو بھیرو۔ آؤ میدان میں۔

بھیرو: اندھے سے کیا لڑوں!

نائیک رام: بس اسی پر اتنا اکڑتے تھے؟

جگدھر: نکل آؤ بھیرو۔ ایک جھپٹ میں تو مار لوگے۔

بھیرو: تمہیں کیوں نہیں لڑ جاتے؟ تمہیں انعام لے لینا۔

جگدھر کو روپوں کی ہمیشہ فکر رہتی تھی۔ کنبہ بڑا ہونے کے سبب کسی طرح چول نہ بیٹھتی تھی۔ گھر میں ایک نہ ایک چیز گھٹی ہی رہتی تھی۔ روپیہ کمانے کی کسی تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتا تھا۔ بولا۔ ''کیوں سورداس! ہم سے لڑوگے؟''

سورداس: تمہیں آ جاؤ۔ کوئی سہی۔

جگدھر: کیوں پنڈا جی انعام دوگے نا؟

نائیک رام: انعام تو بھیرو کے لیے تھا، لیکن کوئی ہرج نہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ ایک ہی جھپٹ میں گرا دو۔

جگدھر نے دھوتی اوپر چڑھا لی اور سورداس سے لپٹ گیا۔ سورداس نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور اتنے زور سے کھینچا کہ جگدھر دھم سے گر پڑا۔ چاروں طرف سے تالیاں بجنے لگیں۔ بجرنگی بولا۔ ''واہ سورداس واہ۔'' نائیک رام نے دوڑ کر اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

بھیرو: مجھے تو کہتے تھے ایک ہی جھپٹ میں گرا دوگے۔ اب تم کیسے گر گئے؟

جگدھر: سورداس نے ٹانگ پکڑ لی نہیں تو کیا گرا دیتا۔ وہ اڑنگا مارتا کہ چاروں شانے چت گر جاتا۔

نائیک رام: اچھا تو ایک بازی اور ہو جائے۔

جگدھر: ہاں ہاں اب کی دیکھنا۔

دونوں سورماؤں نے پھر زور آزمائی شروع کی۔ سورداس نے اب کے جگدھر کا ہاتھ پکڑ کر اتنے زور سے اینٹھا کہ وہ آہ آہ کرتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔ سورداس نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا اور گردن کو دونوں ہاتھوں سے ایسا دبوچا کہ جگدھر کی آنکھیں نکل آئیں۔ نایک رام نے دوڑ کر سورداس کو ہٹا دیا۔ بجرنگی نے جگدھر کو اٹھا کر بٹھایا اور ہوا کرنے لگا۔ بھیرو نے بگڑ کر کہا۔ ''یہ کوئی کشتی ہے کہ جہاں پکڑ پایا وہیں دھر دبایا۔ یہ تو گنواروں کی لڑائی ہے۔ کشتی تھوڑا ہی ہے۔''

نایک رام: یہ بات تو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی۔

جگدھر سنبھل کر اٹھ بیٹھا اور چپکے سے سرک گیا۔ بھیرو بھی اس کے پیچھے چلتا ہوا۔ ان کے جانے کے بعد وہاں خوب قہقہے مچے اور سورداس کو خوب خوب شاباشی دی گئی۔ سب کو تعجب تھا کہ سورداس جیسا نحیف شخص جگدھر جیسے موٹے تازے آدمی کو کس طرح دبا بیٹھا۔ ٹھاکر دین جادو منتر کا قائل تھا۔ بولا۔ ''سورداس پر ضرور کسی دیوتا کا سایہ ہے۔ ہم کو بھی بتاؤ سورداس! کون سا منتر جگایا تھا؟''

سورداس: سو منتروں کا منتر ہے ہمت۔ یہ روپے جگدھر کو دے دینا، نہیں تو میری بھلائی نہیں ہے۔

ٹھاکر دین: روپے کیوں دے دوں؟ کوئی لوٹ ہے؟ تم نے باجی (بازی) ماری ہے تمہیں کو ملیں گے۔

نایک رام: اچھا سورداس! ایمان سے بتا دو، سو بھاگی کو کس منتر سے بس میں کیا؟ اب تو یہاں سب لوگ اپنے ہی ہیں۔ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میں بھی کہیں کا نپا لگاؤں۔

سورداس نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ ''پنڈا جی! اگر تم بھی مجھ سے ایسی باتیں کرو گے تو میں منہ میں کالک لگا کر کہیں نکل جاؤں گا۔ میں پرائی عورت کو اپنی ماں، بہن یا

بیٹی سمجھتا ہوں۔ جس دن میرا من اتنا چنچل ہو جائے گا، اس دن تم مجھے جیتا نہ دیکھو گے۔'' یہ کہہ کر سورداس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ذرا دیر میں آواز سنبھال کر بولا۔ ''بھیرو روز اس کو مارتا ہے۔ بیچاری کبھی کبھی میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ میرا قصور اتنا ہی ہے کہ میں اس کو دھتکار نہیں دیتا۔ اس کے لیے چاہے کوئی مجھ کو بدنام کرے، چاہے جو الزام لگائے۔ میرا جو دھرم تھا وہ میں نے کیا۔ بدنامی کے ڈر سے جو آدمی دھرم سے منہ پھیر لے، وہ آدمی نہیں ہے۔

بجرنگی: تمہیں ہٹ جانا تھا، اس کی عورت تھی۔ مارتا چاہے پیٹتا تم سے مطلب!

سورداس: بھیا! آنکھوں دیکھ کر نہیں رہا جاتا۔ یہ تو سنسار کا بیوہار ہے، پر اتنی سی بات پر کوئی اتنا بڑا کلنک تو نہیں لگا دیتا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں، آج مجھے جتنا دکھ ہو رہا ہے اتنا دادا کے مرنے پر بھی نہ ہوا تھا۔ میں اپاہج دوسروں کے ٹکڑے کھانے والا اور مجھ پر یہ کلنک! (رونے لگا)

نائیک رام: تو روتے کیا ہو۔ بھلے آدمی! اندھے ہو تو کیا مرد نہیں ہو۔ مجھ پر تو کوئی ایسا کلنک لگاتا تو میں اور خوش ہوتا۔ یہ ہزاروں آدمی جو تڑکے گنگا نہانے جاتے ہیں، وہاں نظر بازی کے سوا اور کیا کرتے ہیں۔ مندروں میں اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ میلوں ٹھیلوں میں بھی یہی بہار رہتی ہے۔ یہی مردوں کا کام ہے۔ اب سرکار کے راج میں لاٹھی تلوار کا تو کہیں نام نہیں رہا۔ ساری مردی اسی نظر بازی میں رہ گئی ہے۔ اس کی کیا چنتا (فکر)۔ چلو بھگوان کا بھجن کرو۔ سب دکھ دور ہو جائے گا۔

بجرنگی کو اندیشہ تھا۔ آج کی مار پیٹ کا نہ جانے کیا پھل ہو۔ کل پولیس دروازہ پر آ جائے گی۔ غصہ حرام ہوتا ہے۔ ایک رام نے تشفی کی۔ ''بھلے آدمی! پولیس سے کیا ڈرتے ہو؟ کہو تھانہ دار کو بلا کر نچاؤں، کہو انسپکٹر کو بلا کر چتپیاؤں۔ بے فکر رہو۔ کچھ نہ ہونے پائے گا۔ تمہارا بال بانکا ہو جائے میرا ذمہ۔''

ہر سہ اشخاص یہاں سے چلے۔ دیا گر پہلے سے ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ کئی

گاڑیاں بان اور بنیے بھی آ بیٹھے تھے۔ ذرا دیر میں بھجن کی باتیں اٹھنے لگیں۔ سورداس اپنے تفکرات بھول گیا۔ مست ہو کر گانے لگا۔ کبھی وجد میں آ کر ناچتا، اچھلنے کودنے لگتا، کبھی روتا اور کبھی ہنستا۔ محفل برخاست ہوئی تو سب لوگ خوش تھے۔ دل صاف تھے، کدورت مٹ گئی تھی۔ گویا کسی دلکش فضا کی سیر کر کے آئے ہوں۔ سورداس تو مندر کے چبوترے ہی پر لیٹا۔ باقی لوگ اپنے اپنے گھر گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد سورداس کو انہیں تفکرات نے پھر آ گھیرا۔ میں کیا جانتا تھا کہ بھیرو کے دل میں میری طرف سے اتنا میل ہے، نہیں تو سوبھاگی کو اپنے جھونپڑے میں آنے ہی کیوں دیتا۔ جو سنے گا وہی مجھ پر تھوکے گا۔ لوگوں کو ایسی باتوں پر کتنی جلدی یقین ہو جاتا ہے۔ محلّہ میں کوئی اپنے دروازہ پر کھڑا نہ ہونے دے گا۔ اونہہ! بھگوان تو سب کے من کی بات جانتے ہیں۔ آدمی کا دھرم ہے کہ جب کسی کو دکھ میں دیکھے تو اسے تسلی دے۔ اگر اپنا دھرم پالنے میں بھی کلنک لگتا ہے تو بھلے ہی لگے۔ اس کے لیے کہاں تک روؤں۔ کبھی نہ کبھی تو لوگوں کو میرے دل کا حال معلوم ہو ہی جائے گا۔

مگر جگدھر اور بھیرو دونوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ جگدھر کہتا تھا۔ ''میں نے تو سمجھا تھا کہ پانچ روپے سہج ہی مل جائیں گے، نہیں تو کیا کتے نے کاٹا تھا اس سے بھڑنے جاتا۔ آدمی کا ہے کو ہے لوہا ہے۔''

بھیرو: میں اس کی طاقت آزما چکا ہوں۔ ٹھاکر دین سچ کہتا ہے اسے کسی دیوتا کا اشت ہے۔

جگدھر: اشت وشت کچھ نہیں۔ یہ سب بےفکری ہے۔ ہم تم گرہست کے جنجال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نمک، تیل، لکڑی کی فکر سر پر سوار رہتی ہے۔ گھاٹے نفع کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اس کو کون سی فکر ہے؟ مزہ سے جو کچھ مل جاتا ہے کھاتا ہے اور میٹھی نیند سوتا ہے۔ ہم کو تم کو روٹی دال بھی دونوں بکھت (وقت) نصیب نہیں ہوتی۔ اسے کیا کمی ہے۔ کسی نے چاول دیئے۔ کہیں سے مٹھائی پا گیا۔ گھی دودھ

بجرنگی کے گھر سے مل ہی جاتا ہے۔ بل تو کھانے سے ہوتا ہے۔

بھیرو: نہیں یہ بات نہیں ہے۔ نشہ کرنے سے بل کا ناس ہو جاتا ہے۔

جگدھر: کیسی الٹی باتیں کرتے ہو۔ ایسا ہوتا تو فوج میں گوروں کو برانڈی کیوں پلائی جاتی؟ انگریز سبھی شراب پیتے ہیں تو کیا کمزور ہوتے ہیں؟

بھیرو: آج سوبھاگی آئے گی تو گلا گھونٹ دوں گا۔

جگدھر: کسی کے گھر میں چھپی بیٹھی ہوگی۔

بھیرو: اندھے نے میری آبرو بگاڑ دی۔ برادری میں بات پھیلے گی تو حقہ پانی بند ہو جائے گا۔ بھوج دینا پڑے گا۔

جگدھر: تمہیں تو ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو۔ یہ نہیں پنکنی کھائی تھی تو چپکے سے گھر چلے آتے۔ سوبھاگی گھر آتی تو اس سے سمجھ لیتے۔ تم لگے وہیں دہائی دینے۔

بھیرو: اس اندھے کو میں ایسا کپٹی نہ سمجھا تھا نہیں تو اب تک کبھی اس کو مزہ چکھا چکا ہوتا۔ اب اس چڑیل کو گھر میں نہ رکھوں گا۔ چمار کے ہاتھوں یہ بے آبروئی!

جگدھر: اب اس سے بڑی اور کیا بدنامی ہوگی۔ گلا کاٹنے کا کام کیا ہے۔

بھیرو: بس یہی جی میں آتا ہے کہ چل کر ایک گنڈاسا مار کر کام تمام کر دوں، لیکن نہیں میں اسے گھلا گھلا کر ماروں گا۔ سوبھاگی کا دکھ نہیں ہے۔ سارا طوفان اسی عیبی اندھے کا کھڑا کیا ہوا ہے۔

جگدھر: دکھ دونوں کا ہے۔

بھیرو: لیکن چھیڑ چھاڑ تو پہلے مرد ہی کرتا ہے۔ اس سے تو اب مجھے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ جہاں چاہے جائے، جیسے چاہے رہے۔ مجھے تو اب اسی اندھے سے بھگتنا ہے۔ صورت سے کیسا گریب (غریب) جان پڑتا ہے، جیسے کچھ جانتا ہی نہیں اور من میں اتنا کپٹ بھرا ہوا ہے۔ بھیک مانگتے دن جاتے ہیں، اس پر بھی ابھاگی کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ جگدھر! اس نے میرا سر نیچا کر دیا۔ میں دوسروں پر ہنسا کرتا تھا۔ اب

دنیا مجھ پر ہنسے گی۔ مجھے سب سے بڑا ملال تو یہ ہے کہ ابھاگن گئی تو چمار کے ساتھ گئی۔ اگر کسی ایسے آدمی کے ساتھ جاتی جو جات پات میں، دیکھنے سننے میں، دھن دولت میں، مجھ سے بڑھ کر ہوتا تو مجھے اتنا رنج نہ ہوتا۔ جو سنے گا اپنے من میں یہی کہے گا کہ میں اس اندھے سے بھی گیا بیتا ہوں۔

جگدھر: عورتوں کا سوبھاؤ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نہیں تو کہاں تم اور کہاں وہ اندھا۔ منہ پر مکھیاں بھنکا کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جوتے کھا کر آیا ہے۔

بھیرو: اور بے حیا کتنا بڑا ہے۔ بھیک مانگتا ہے۔ اندھا ہے، پر جب دیکھو ہنستا ہی رہتا ہے۔ میں نے اسے کبھی روتے نہیں دیکھا۔

جگدھر: گھر میں روپے گپے ہیں۔ روئے اس کی بلا۔ بھیک تو دکھانے کی مانگتا ہے۔

بھیرو: اب روئے گا۔ ایسا رلاؤں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

یوں باتیں کرتے کرتے دونوں اپنے اپنے گھر گئے۔ رات کے دو بجے ہوں گے کہ یکا یک سورداس کی جھونپڑی سے آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ لوگ اپنے اپنے دروازوں پر سو رہے تھے۔ حالت خواب میں بھی باطنی حواس بیدار رہتے ہیں۔ دم کے دم میں سینکڑوں آدمی جمع ہو گئے۔ آسمان پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ شعلے لپک لپک کر آسمان کی طرف دوڑنے لگے۔ کبھی ان کی صورت کسی مندر کے سنہری کلس کی سی ہو جاتی تھی۔ کبھی وہ ہوا کے جھونکوں سے اس طرح کانپنے لگتے تھے جیسے پانی میں چاند کا عکس۔ آگ بجھانے کی تدبیر کی جا رہی تھی، لیکن جھونپڑے کی آگ آتش حسد کی طرح کبھی نہیں بجھتی۔ کوئی پانی لا رہا تھا۔ کوئی یونہی شور مچا رہا تھا لیکن زیادہ تر لوگ خاموش کھڑے مایوسانہ نظروں سے یہ آگ کا جانا دیکھ رہے تھے جیسے کسی عزیز یا دوست کی چتا کی آگ ہو۔

دفعتاً سورداس دوڑا ہوا آیا اور چپ چاپ آگ کی روشنی میں کھڑا ہو گیا۔ بجرنگی

نے پوچھا۔ ''یہ آگ کیسے لگی۔سورداس؟ چولہے میں آگ تو نہیں چھوڑ دی تھی؟''

سورداس: جھونپڑے میں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟

بجرنگی: اب تو اندر باہر سب ایک ہو گیا۔ دیواریں جل رہی ہیں۔

سورداس: کسی طرح بھی نہیں جا سکتا؟

بجرنگی: کیسے جاؤ گے؟ دیکھتے نہیں ہو یہاں تک لپٹیں آ رہی ہیں؟

جگدھر: سورداس! کیا آج چولہا ٹھنڈا کیا تھا؟

نایک رام: چولہا ٹھنڈا کیا ہوتا تو دشمنوں کا کلیجا کیسے ٹھنڈا ہوتا؟

جگدھر: پنڈا جی! میرا لڑکا کام نہ آئے اگر مجھے کچھ بھی معلوم ہو۔تم مجھ پر ناحق شبہ کرتے ہو۔

نایک رام: میں جانتا ہوں جس نے آگ لگائی ہے۔ بگاڑ نہ دوں تو کہنا۔

ٹھاکر دین: تم کیا بگاڑو گے؟ بھگوان آپ ہی بگاڑ دیں گے۔ اسی طرح جب میرے گھر میں چوری ہوئی تھی تو سب سوا ہا ہو گیا تھا۔

جگدھر: جس کے من میں اتنی کھوٹ ہو بھگوان اس کا ستیاناس کر دیں۔

سورداس: اب تو لپٹ نہیں آتی؟

بجرنگی: ہاں پھوس جل گیا ہے، اب دھرن جل رہی ہے۔

سورداس: اب تو اندر جا سکتا ہوں؟

نایک رام: اندر تو جا سکتے ہو، پر باہر نہیں نکل سکتے۔ اب چلو آرام سے سو رہو۔ جو ہونا تھا ہو گیا، پچھتانے سے کیا ہو گا۔

سورداس: ہاں سو رہوں گا جلدی کیا ہے۔

تھوڑی دیر میں بچی کھچی آگ بھی بجھ گئی۔ خیریت یہ ہوئی کہ اور کسی کے گھر میں آگ نہیں لگی۔ سب لوگ اس سانحہ پر رائے زنی کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ سناٹا چھا گیا، لیکن سورداس اب بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے جھونپڑے کے جل

جانے کا غم نہ تھا۔ برتن وغیرہ کے بھی جل جانے کا غم نہ تھا۔ غم تھا تو اس پوٹلی کا جو اس کی عمر بھر کی کمائی تھی۔ جس پر اس کی زندگی کی ساری تمناؤں کا انحصار تھا۔ جو اس کی ساری تکلیفوں اور التجاؤں کا ماحصل تھی۔ یہ چھوٹی سی پوٹلی اس کی، اس کے بزرگوں کی، اس کے نام لیوا لوگوں کی نجات کا ذریعہ تھی۔ یہی اس کے لوک اور پرلوک۔ دین و دنیا کی امیدوں کی شمع فروزاں تھی۔ اس نے سوچا۔ ''پوٹلی کے ساتھ روپے تو تھوڑے ہی جل گئے ہوں گے۔ اگر روپے پگھل بھی گئے ہوں گے تو چاندی کہاں جائے گی۔ کیا جانتا تھا کہ آج آفت آنے والی ہے نہیں تو یہیں نہ سوتا۔ پہلے تو کوئی جھونپڑی کے پاس آتا ہی نا اور اگر آگ لگاتا تو پوٹلی کو پہلے ہی نکال لیتا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے یہاں روپیوں کو رکھنا ہی نہ چاہیے تھا۔ پر رکھتا کہاں؟ محلّہ میں ایسا کون ہے جسے رکھنے کو دیتا۔ ہائے پورے پانچ سو روپے تھے! کچھ پیسے اوپر ہو گئے تھے۔ کیا اسی دن کے لیے پیسے پیسے جوڑ رہا تھا۔ کھا لیا ہوتا تو کچھ تسکین ہوتی۔ کیا سوچتا تھا اور کیا ہوا گیا جی جا کر پتروں کو پنڈ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اب ان سے کیسے گلا چھوٹے گا۔ سوچتا تھا کہیں مٹھوا کی سگائی ٹھہر جائے تو کر ڈالوں۔ بہو گھر میں آ جائے تو ایک روٹی کھانے کو ملے۔ اپنے ہاتھوں ٹھونک ٹھونک کر کھاتے ایک جگ بیت گیا۔ بڑی بھول ہوئی۔ چاہیے تھا کہ جیسے جیسے ہاتھ میں روپے آتے۔ ایک ایک کام پورا کرتا جاتا۔ بہت پاؤں پھیلانے کا یہی پھل ہے۔''

اس وقت تک راکھ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ سورداس اٹکل سے دروازہ کی طرف سے جھونپڑی میں گھسا۔ پر دو تین قدم کے بعد دفعتاً پاؤں بھوبل میں پڑ گیا۔ اوپر راکھ تھی، لیکن نیچے آگ۔ سورداس نے فوراً پاؤں کھینچ لیا اور اپنی لکڑی سے راکھ کو الٹنے پلٹنے لگا کہ نیچے کی آگ بھی جلد راکھ ہو جائے۔ آدھ گھنٹہ میں اس نے ساری آگ نیچے اوپر کر دی اور پھر ڈرتے ڈرتے راکھ میں پیر رکھا۔ راکھ گرم تھی مگر ناقابل برداشت نہ تھی۔ اس نے ٹھیک اسی مقام کی سیدھ میں راکھ ٹٹولنا شروع کیا جہاں

چھپر میں پوٹلی رکھی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ روپے ملیں یا نہ ملیں، پر چاندی تو کہیں گئی ہی نہیں ہے۔ یکا یک وہ اچھل پڑا۔ کوئی بھاری چیز ہاتھ لگی۔ اسے اٹھالیا، پر ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اینٹ کا ٹکڑا ہے۔ پھر ٹٹولنے لگا جیسے کوئی شخص پانی میں مچھلیاں ٹٹولے۔ کوئی چیز ہاتھ نہ لگی۔ پھر تو اس نے مایوسانہ عجلت اور اضطراب کے ساتھ ساری راکھ چھان ڈالی۔ ایک ایک مٹھی راکھ ہاتھ میں لے کر دیکھی۔ لوٹا ملا، تو املا، پر پوٹلی نہ ملی۔ اس کا وہ پیر جواب تک سیڑھی پر تھا پھسل گیا اور اب وہ اتھاہ گہرائی میں جا پڑا۔ اس کے منہ سے دفعتاً ایک چیخ نکل گئی۔ وہ وہیں راکھ پر بیٹھ گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ یہ پھوس کی راکھ نہ تھی۔ اس کی تمناؤں کی راکھ تھی۔ اپنی بےبسی پر اس کو اتنا رنج کبھی نہ ہوا تھا۔

تڑکا ہو گیا۔ سورداس اب راکھ کے ڈھیر کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر رہا تھا۔ امید سے زیادہ سخت جان اور کوئی دنیا میں نہیں ہوتی۔

اسی وقت جگدھر آ کر بولا۔ ''سورداس سچ کہنا تمہیں مجھ پر تو شبہ نہیں ہے۔''

سورداس کو شبہ تو تھا، پر اس نے اسے چھپا کر کہا۔ ''تمہارے اوپر کیوں شبہ کروں گا۔ تم سے میری کون سی عداوت تھی؟''

جگدھر: محلّہ تمہیں بھڑکائیں گے۔ پر میں بھگوان کو ساکھشی بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس بارے میں کچھ بھی نہ جانتا۔

سورداس: اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ کون جانے کسی نے لگا دی یا کسی کی چلم سے اڑ کر لگ گئی۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے چولہے میں آگ رہ گئی ہو۔ بلا جانے بوجھے کس پر سبھا کروں۔

جگدھر: اسی سے تمہیں جتا دیا کہ کہیں سبھے میں میں بھی نہ مارا جاؤں۔

سورداس: تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہے۔

جگدھر کو بھیرو کی باتوں سے اب یقین ہو گیا کہ یہ اسی کی شرارت ہے۔ اس نے

سورداس کو رلانے کی بات کہی تھی۔ اس دھمکی کو اس طرح پورا کیا۔ وہ یہاں سے سیدھا بھیرو کے پاس گیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ناریل پی رہا تھا، لیکن چہرہ سے پریشانی اور بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ جگدھر کو دیکھتے ہی بولا۔ ''کچھ سنا لوگ کیا بات چیت کر رہے ہیں۔''

جگدھر: سب لوگ تمہارے اوپر سبھا (شبہ) کرتے ہیں۔ نائیک رام کی دھمکی تو تم نے اپنے کانوں سنی۔

بھیرو: مجھے ایسی دھمکیوں کی پروا نہیں ہے۔ ثبوت کیا ہے کہ میں نے آگ لگائی؟

جگدھر: سچ کہو۔ تمہیں نے لگائی؟

بھیرو: ہاں چپکے سے ایک دیا سلائی لگا دی۔

جگدھر: میں کچھ کچھ پہلے سمجھ گیا تھا۔ پر یہ تم نے برا کیا۔ جھونپڑی جلانے سے کیا ملا؟ دو چار دن میں پھر وہی جھونپڑی تیار ہو جائے گی۔

بھیرو: کچھ ہو۔ دل کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ یہ دیکھو!

یہ کہہ کر اس نے ایک تھیلی دکھائی جس کا رنگ دھوئیں سے سیاہ ہو گیا تھا۔ جگدھر نے پوچھا۔ ''اس میں کیا ہے؟ ارے! اس میں تو روپے بھرے ہوئے ہیں۔''

بھیرو: یہ سوبھاگی کو بہکا لے جانے کا جریبانہ (جرمانہ) ہے۔

جگدھر: سچ بتاؤ یہ روپے کہاں سے ملے؟

بھیرو: اسی جھونپڑی میں بڑے جتن سے دھرن کی آڑ میں رکھے ہوئے تھے۔ پاجی روز راہگیروں کو ٹھگ ٹھگ کر پیسے لاتا تھا اور اسی تھیلی میں رکھتا تھا۔ میں نے گنے ہیں۔ پانچ سو روپے سے اوپر ہیں۔ نہ جانے کیسے اتنے جمع ہو گئے۔ بچہ کو انہیں روپوں کی گرمی تھی۔ اب گرمی نکل گئی۔ اب دیکھوں کس بل پر اچھلتے۔ برادری کو بھوج دینے کا سامان ہو گیا۔ نہیں تو اس بکھت (وقت) اتنے روپے کہاں ملتے؟ آج دل تو دیکھتے ہو۔ بلم ٹیروں کے مارے بکری کتنی مندی ہے۔

جگدھر: میری تو صلاح ہے کہ روپے اس کو لوٹا دو۔ بڑی مسکت (مشقت) کی کمائی ہے۔ ہضم نہ ہوگی۔

جگدھر دل کا کھوٹا نہیں تھا، پر اس وقت اس نے یہ صلاح نیک نیتی سے نہیں حسد سے دی تھی۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ بھیرو کے ہاتھ اتنے روپے لگ جائیں۔ بھیرو نصف روپے اسے دے دیتا تو شاید اس کو تسکین ہو جاتی۔ مگر بھیرو سے یہ امید نہ کی جا سکتی تھی۔ بے پروائی سے بولا۔ ''مجھے اچھی طرح ہجم (ہضم) ہو جائے گی۔ ہاتھ میں آئے ہوئے روپے کو لوٹا نہیں سکتا۔ اس نے بھیک ہی مانگ کر تو جمع کیا ہے۔ گیہوں تو نہیں تولا تھا؟''

جگدھر: پولیس سب کھا جائے گی۔

بھیرو: سور داس پولیس میں نہ جائے گا۔ رو دھو کر چپ ہو رہے گا۔

جگدھر: گریب (غریب) کی ہائے بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔

بھیرو: وہ گریب ہے! اندھا ہونے ہی سے گریب ہو گیا؟ جو آدمی دوسروں کی عورتوں پر ڈورے ڈالے، جس کے پاس سینکڑوں روپے جمع ہوں جو دوسروں کو روپے ادھار دیتا ہو، وہ گریب ہے؟ گریب جو کہو تو ہم تم ہیں۔ گھر بھر میں ڈھونڈ آؤ۔ ایک پورا روپیہ نہ نکلے گا۔ ایسے پاپیوں کو گریب نہیں کہتے۔ اب بھی میرے دل کا کانٹا نہیں نکلا۔ جب تک اسے روتے نہ دیکھوں گا، یہ کانٹا نہ نکلے گا۔ جس نے میری آبرو بگاڑ دی، اس کے ساتھ جو چاہے کروں۔ مجھے پاپ نہیں لگ سکتا۔

جگدھر کا دل آج خوانچہ لے کر گلیوں کا چکر لگانے میں نہ تھا۔ چھاتی پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ اسے دم کی دم اتنے روپے مل گئے۔ اب موج اڑائے گا۔ تقدیر اس طرح کھلتی ہے۔ یہاں کبھی پڑا ہوا پیسہ بھی نہ ملا۔ پاپ پن کی کوئی بات نہیں۔ میں ہی کون دن بھر پن کیا کرتا ہوں۔ دمڑی، چھدام، کوڑیوں کے لیے ٹینی مارتا ہوں۔ باٹ کھوٹے رکھتا ہوں۔ تیل کی مٹھائی گھی کی کہہ کر بیچتا ہوں۔ ایمان گنوانے پر بھی ہاتھ

کچھ نہیں آتا۔ جانتا ہوں یہ برا کام ہے۔ پر بال بچوں کو پالنا بھی تو ضروری ہے۔ اس نے ایمان کھویا تو کچھ لے کر کھویا۔ گناہ بےلذت نہیں رہا۔ اب وہ تین دکانوں کا اوٹھیکہ لے لے گا۔ ایسا ہی کوئی مال میرے ہاتھ پڑ جاتا تو جنم سپھل ہو جاتا۔

جگدھر کے دل میں حسد نے جگہ کی۔ وہ بھیرو کے گھر سے لوٹا تو دیکھا کہ سورداس راکھ بٹور کر اسے آٹے کی طرح گوندھ رہا ہے۔ سارا جسم راکھ سے، دھنکا ہوا اور پسینہ خوب بہہ رہا ہے۔ بولا۔ ''سورداس! کیا ڈھونڈتے ہو؟''

سورداس: کچھ نہیں۔ یہاں رکھا ہی کیا تھا۔ یہی لوٹا تو دیکھ رہا تھا۔

جگدھر: اور وہ تھیلی کس کی ہے جو بھیرو کے پاس ہے؟

سورداس چونکا: کیا اسی لیے بھیرو آیا تھا؟ ضرور یہی بات ہے۔ گھر میں آگ لگانے سے پہلے روپے نکال لیے ہوں گے۔

لیکن اندھے بھکاری کے لیے مفلسی اتنی شرم کی بات نہیں ہے جتنی دولت مندی۔ سورداس جگدھر سے اپنے مالی نقصان کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ مٹھوا کا بیاہ کرنا چاہتا تھا۔ کنواں بنوانا چاہتا تھا، مگر اس انداز سے کہ لوگوں کو تعجب ہو کہ اس کے پاس روپے کہاں سے آئے اور لوگ یہی سمجھیں کہ بھگوان ہی محتاجوں کی مدد کرتے ہیں۔ بھکاریوں کے لیے دولت کا جمع کرنا گناہ گاری سے کم ذلت کی بات نہیں ہے۔ بولا: ''میرے پاس تھیلی ویلی کہاں ہو گی کسی کی۔ تھیلی ہوتی تو بھیک کیوں مانگتا؟''

جگدھر: مجھ سے اڑتے ہو۔ بھیرو مجھ سے خود کہہ رہا تھا کہ جھونپڑے میں دھرن کے اوپر یہ تھیلی ملی۔ پانچ سو روپے سے کچھ بیسی ہے۔

سورداس: وہ تم سے ہنسی کرتا ہو گا۔ ساڑھے پانچ روپے تو کبھی اکٹھے ہی نہیں ہوئے۔ ساڑھے پانچ سو کہاں سے آئے؟

اتنے میں سوبھاگی وہاں آ پہنچی۔ رات بھر مندر کے پیچھے امرود کے باغ میں چھپی